

مفتی مضر محمد عبدالہ کی تعلیمی اصلاحات

(محمد نذیر کا کاخیل، فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)

انیسویں صدی کے آغاز میں جب محمد علی پاشا مصر میں برسرِ اقتدار آئے۔ تو اگرچہ وہ خود پڑھے لکھے نہ تھے لیکن وہ زمانے کی ضرورتوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یورپی اسالیبِ نظم و نسق کو اپنائے بغیر کاروبارِ حکومت نہیں چل سکے گا۔ انھوں نے دیکھا کہ مصر کا نظامِ تعلیم غیر تسلی بخش ہے اور یہاں کے فارغ التحصیل اہل علم کی اکثریت عہدِ جدید کے تقاضوں سے بے بہرہ ہے۔ چنانچہ انھوں نے مصر کو جدید بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ یورپ کو تعلیمی مشن بھیجے گئے تاکہ وہاں کے نظامِ تعلیم کا جائزہ لے کر مصر میں جدید طرز کے مدارس کی طرح ڈالی جائے۔ محمد علی کے زمانے میں جس کام کا آغاز ہو چکا تھا، اس کے پوتے اسماعیل پاشا کے عہد (۱۸۴۹-۱۸۶۲ء) میں اس میں ضرورت سے زیادہ دل چسپی لی گئی لیکن ان اصلاحات کا غلط پہلو یہ تھا کہ اگر ایک طرف دینی مدارس کے طلباء جدید علوم سے نااہل رہتے تو دوسری طرف جدید طرز کے مدارس میں پڑھے لکھے حضرات دینی علوم سے محروم۔ اگر دینی مدارس نے مذہب کو صرف چند عقائد، عبادات و رسومات تک محدود کر رکھا تھا تو دوسری طرف سرکاری مدارس نے تعلیم کو محض ذریعہ حصولِ معاش بنا دیا تھا۔ اس وقت اسلامی دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی ازہر تھی، لیکن اس کے تعلیمی معیار کا یہ عالم تھا کہ:

” طلباء تعلیم ختم کر کے جب نکلتے تو سوائے چند کتب کے کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ دنیا و دنیاوی علوم سے بے خبر ہوتے تھے۔ جغرافیہ، تاریخ، طبیعیات، کیمیا، ریاضی، وغیرہ چونکہ ان کی نظر میں صرف اس دنیا سے متعلق تھے اور آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں تھا لہذا ان کا پڑھنا پڑھانا عبث تھا۔“^۱

^۱ سید محمد رشید رضا، تاریخِ اساتذہ الامام شیخ محمد عبدالہ۔ جزو دوم (۱۳۳۳ھ) صفحہ ۹-۵۰۷

^۲ احمد امین۔ زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث۔ (قاہرہ- ۱۹۴۸ء) صفحہ ۲۸۹

لیکن اس کے باوجود اگر اصلاح کی کوشش کی جاتی تو بقول احمد امین کے، مصلحین کی آواز گلے ہی میں دبا دی جاتی تھی۔ اور ان پر زندہ کا یل میل چسپاں کیا جاتا تھا۔ جب سب سے بڑے ادارے کا یہ حال تھا تو چھوٹے اداروں کا کیا کہنا۔ ایک مسئلے کو سمجھنے بغیر رٹنا اور رٹوانا، طالب علم کو شروع دن سے صرف و نحو کو حفظ کرانے کی مشق کرانا، علوم میں عقلیت کا عنصر ختم کرنا، یہ سب ایسی باتیں تھیں جنہوں نے ذہنوں کو جامد بنا دیا تھا۔ ان کے بارے میں شیخ محمد عبدہ کے تاثرات جو انھوں نے اپنی ناممکن سوانح عمری میں بیان کئے ہیں، یہ تھے:-

"مذہب کے طریقہ تعلیم کا یہ پہلا اثر تھا جو میں نے محسوس کیا۔ اور یہی وہ طریقہ تعلیم ہے جو ازہر میں بھی رائج ہے۔ اور یہی اثر ان بچاؤ کے فیصد طلباء کو محسوس ہوتا ہے، جو اس طریقہ تعلیم پر عمل کرنے والے اساتذہ سے پڑھتے ہیں۔ اس طریقہ کا انداز یہ بھی ہے کہ معلم جو کچھ جانتا ہے اور جو کچھ نہیں جانتا، اس کے بارے میں برابر بولتا چلا جاتا ہے اور شاگرد اور اس کی قابلیت فہم کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ نہ سمجھنے والے طلباء یہ فرض کر کے اپنے آپ کو دھوکا دیتے کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں تاکہ وہ جوان ہو جاتے ہیں اور اس دوران میں بال بچوں کے خواب دیکھتے ہیں اس کے بعد وہ لوگوں پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔" ۳

اسماعیل پاشا کے عہد میں ازہر کی اصلاح کی تدبیروں کی ناکامی کے بعد وزیر تعلیم علی پاشا مبارک کی کوششوں سے جدید طرز پر ایک نئے ادارے "دارالعلوم" کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ازہر کے فارغ التحصیل علماء کو جدید علوم پڑھا کر ملک کے دوسرے مدارس میں اساتذہ مقرر کیا جائے لیکن بدقسمتی سے یہ ادارہ بھی اپنے مسلک سے دور ہوتا چلا گیا۔ الغرض اس دورہ طرز تعلیم کی وجہ سے ملک میں ذہنی انتشار اور اسی انتشار نے ملک میں دو انتہا پسند گروہوں کو جنم دیا تھا۔ ان میں سے ایک کا تعلق تو براہ راست ازہر اور اس کے ہمنواؤں سے تھا۔ یہ لوگ پرانی ڈگری پچھلے رہے تھے۔ اور کسی قسم کی تبدیلی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو سرکاری، مشنری یا یورپی تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل تھے، یہ لوگ بہر قیمت تبدیلی چاہتے تھے اور یورپ کی نقالی کے شیدائی تھے۔ اس کا نتیجہ نہ صرف یہ تھا کہ دونوں گروہوں میں کوئی چھین مشرک

۳۔ چارلس سی۔ ایڈمز، اسلام اور تجدید مصر میں (اردو ترجمہ عبدالحمید سادک) صفحہ ۳۱-۳۲

۴۔ تاریخ جزو ثانی، محولہ بالا۔ صفحہ ۴۵

بِعنوان "تأثیر التعلیم فی الدین والعقیدۃ" ۱۸۷۰ء میں شیخ عبدہ والدین کو نصیحت کرتے ہیں کہ بچوں کو تعلیمی درس گاہوں میں داخل کرتے وقت وہ اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ بچے معصوم ہوتے ہیں۔ ان کے ذہن خالی ہوتے ہیں۔ وہ ہر اس بات کو قبول کرتے ہیں، جو ان کو بتائی جائے۔ اور جو کچھ بچپن میں ذہن نشین ہو جائے اس کے اثرات مشکل سے مٹتے ہیں۔ لہذا بچوں کو ایسے اداروں میں ہرگز داخل نہ کیا جائے جہاں ان کو غلط اعتقادات اور فرسودہ خیالات ذہن نشین کرائے جاتے ہوں۔ ایک اور مقالے میں وہ قوم کے مخیر افراد سے اپیل کرتے ہیں کہ سرکار سے اصلاح کی امید کئے بغیر وہ اپنی کمائی میں سے کچھ رقم نئے مدارس کھولنے میں خرچ کریں تاکہ تعلیم عام ہو اور عقل و ادراک کی نشوونما ہو۔

۱۸۷۰ء میں جب محمد عبدہ "دارالعلوم" کے استاد مقرر کئے گئے تو اس کے علاوہ وہ انداز میں بھی پڑھاتے تھے نیز وہ خدیو کے مدرسہ السنہ میں عربی ادب کا درس دینے لگے اور عربی کی تدریس میں انھوں نے خاص طور پر ان طریقوں میں ترمیم کی جو عام طور پر رائج تھے اور جو بہت ناقص ہو چکے تھے۔ دارالعلوم میں انھوں نے مقررہ ابن خلدون پڑھانا شروع کیا۔ اس نئے مضمون کو انھوں نے طلباء کے لئے دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ ابن خلدون کے بہت سے نتائج پر جو کہ موجودہ دور میں ناقابل عمل تھے، اختلافی نوٹ لکھے اور بعد میں ان تنقیدی مضامین کو "علم الاجتماع اور فلسفۃ التاریخ" کے نام سے کتابی شکل میں مدون کیا لیکن بدقسمتی سے یہ کتاب شائع نہ ہو سکی اور شائد ان کی مصر سے جلاوطنی کے زمانہ میں ضائع ہو گئی۔

محمد عبدہ کی طرح مصر کا نوجوان وزیر اعظم ریاض پاشا بھی تدریجی اصلاح کا حامی تھا۔ اس کی ان تھک کوششوں سے ۱۸۸۱ء میں ملک کے تعلیمی مسائل کا جائزہ لینے اور تعلیمی اداروں میں اصلاحات نافذ کرنے کی غرض سے ایک تعلیمی کونسل "وزارت تعلیم کے ماتحت بنائی گئی۔ محمد عبدہ کو اس کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا اور وہ اس کے سرگرم رکن رہے۔ اس کونسل نے نصابی کتب، اساتذہ کے حقوق کی حفاظت، سپیک سکولز کو گرانٹ دینے اور سرکاری مدارس کے حسابات کی جانچ پڑتال کرنے کے لئے بڑی مفید تجاویز پیش کیں۔ اللہ

شیخ محمد عبدہ کی تعلیمی و اصلاحی و سیاسی سرگرمیوں نے ان کے بہت سے حریف پیدا کر دیئے۔

۱۸۸۲ء کی عربی تحریک میں ان کو ملوث کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بیروت میں قیام کرنے کے بعد آپ پیرس چلے گئے جہاں اپنے استاد جمال الدین افغانی کے اشتراک سے مشہور رسالہ العروة الوثقی نکالا اس کے ذریعے بھی وہ اپنے تعلیمی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا ناک و نوکرتے رہے۔ لیکن العروة الوثقی کے بند ہونے کے بعد بیروت آ کر وہ پوری یسوی کے ساتھ تعلیمی اصلاحات میں لگ گئے، یورپ کے دوروں نے ان کے ارادوں کو استقامت و دوام بخشا تھا۔ چنانچہ بعد میں وہ کہا کرتے تھے:-

پہلی مرتبہ میں نے محض حالات سے مجبور ہو کر یورپ کا سفر کیا تھا لیکن وہ اس قدر محرک ثابت ہوا کہ اس کے بعد بار بار یورپ گیا۔ جب کبھی مجھے اپنی روح میں نئی جان ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، میں یورپ چلا جاتا ہوں۔ میں جب کبھی یورپ گیا ہوں میری یہ امیدیں سرے سے زندہ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت یقیناً بہتر ہو سکتی ہے۔ ۱۳

محمد عبدالعزیز نے یورپی علوم کا کچھ مطالعہ تو عربی میں ترجمہ شدہ کتابوں سے کیا اور کچھ فرانسیسی اور انگریزی زبانیں سیکھ لینے کے بعد۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جو لوگ یورپی زبانوں میں سے کوئی ایک دوزنہ جانتے ہوں، دورِ عبید میں عالم نہیں کہلائے جاسکتے ۱۴۔ ان کا یہ بھی قول تھا کہ ایک مسلمان عالم کے لئے اسلام کی خدمت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک وہ یورپی زبانوں میں سے "چند" پر عبور حاصل نہ کرے۔ اس سے وہ عالم اس پوزیشن میں ہو گا کہ مغرب میں اسلام کی مدد و ذم میں جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ پڑھ لے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو اس کا خاطر خواہ جواب دے سکے۔ ۱۵

بیروت میں جلاوطنی کے زمانے میں شیخ محمد عبدالعزیز نے اپنے وسیع تجربے کی بنا پر مسلم ممالک میں یکساں تعلیمی نظام رائج کرنے کا ایک جامع منصوبہ دولت عثمانیہ کے شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کیا ۱۶۔ اس زمانے میں ترکی میں بھی ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے جائیں۔ محمد عبدالعزیز کے اس منصوبہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کی چیدہ چیدہ باتوں کو پیش کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ شیخ عبدالعزیز کے نزدیک دینی مدارس کے لئے تو یہ نصاب ہو گا جو انھوں نے پیش کیا۔ دوسرے ادارے جہاں مختلف

۱۳ تاریخ اول۔ ص ۱۰۴

۱۴ اسلام اور تجدید مصر میں۔ محور بالا ص ۹۵

۱۵ تاریخ دوم۔ ص ۵۵ و بعد

۱۶ ایضاً ص ۹۲

علوم و فنون مثلاً طب، انجینئرنگ، زراعت، صنعت و حرفت پڑھائے جاتے ہوں وہاں ان علوم کے علاوہ مجوزہ دینی تعلیم دی جائے۔ اور جو لوگ دینی علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہوں ان کو عیدہ کی تجویز کردہ سکیم کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اس نکتہ کو واضح کرنے کے بعد ہم محمولہ بالا منصوبے کو مختصراً بیان کریں گے۔

مسلم ممالک کے مختلف مدارس میں رائج نصابوں، ان کی خامیوں اور طلباء و سرپان کے اثرات بیان کرنے کے بعد محمد عیدہ نے تجویز پیش کی کہ مملکت میں لوگوں کو تین طبقاتوں میں (جیسا کہ اس وقت تھا) تقسیم کر کے درجہ بندی کے لحاظ سے تعلیم دی جائے۔ ادنیٰ درجہ میں وہ لوگ آتے ہیں جو تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کے پیشیے اختیار کرنے سے پہلے معمولی لکھنا پڑھنا اور گنتی (3 Rs) سیکھنا چاہتے ہوں تاکہ اپنے اپنے معاملات میں ان کو سہولت ہو۔ ان لوگوں کو دینی علوم سے اس قدر آگاہ کیا جائے :-

۱۔ ایک ایسی کتاب پڑھائی جائے جو ان اسلامی عقائد پر مبنی ہو جن پر "اہل السنۃ" کے درمیان اتفاق ہے لیکن نزاعی مسائل کو ہرگز نہ چھڑا جائے۔ جو عقائد پڑھائے جائیں وہ ایسے عقلی دلائل سے ثابت کئے جائیں جو ان کی سمجھ کے مطابق ہوں اور ان کی شہادت قرآن اور احادیث صحیحہ میں بھی موجود ہو۔

۲۔ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں حلال و حرام کی تمیز، اخلاق حسنة اور اعمال فہیمہ کا فرق بیان کیا گیا ہو۔ اور ان بدعات سے احتراز کی تنبیہ ہو جن کا ثبوت قرآن اور سنت رسول میں نہیں ملتا۔

۳۔ مختصر تاریخ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور سیرت صحابہؓ شامل ہو، پڑھائی جائے۔ دوسرے درجے (ثانوی) میں وہ لوگ داخل کئے جائیں جو ابتدائی درجہ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے لئے مطلوبہ معیار کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ ان لوگوں کو مدارس عالیہ اور مدارس اعدادیہ (PREPARATORY SCHOOLS) میں ادنیٰ درجہ کے مضامین تفصیل سے پڑھائے جائیں۔ ثانوی درجہ میں اختیاری مضمون کے علاوہ دینی علوم کا سلیبس یہ ہوگا :-

۱۔ ایک ایسی کتاب جو علوم کے لئے مقدمہ ہو جس کے ذریعہ طلباء کو فن منطقی، اصول النظر (استدلال) اور آداب الجدل (اثبات بہ دلیل) سے متعارف کرایا جائے۔

۲۔ کتاب العقائد :- جس میں عقلی و نقلی دلائل سے آسان فہم زبان میں بحث کی گئی ہو۔ لیکن یہاں بھی مذاہب اسلامیہ کے اختلافات کا ذکر نہ کیا جائے۔

۳۔ حرام و حلال پر مبنی کتاب ۔

۴۔ تاریخ جس میں سیرت پاکؐ اور سیرت صحابہؓ اور مختلف زمانوں میں اسلامی فتوحات پر سیر حاصل تبصرہ ہو۔
 علاوہ ازیں ان کو دولت عثمانیہ کی تاریخ بھی پڑھائی جائے۔ اور خالص دینی نقطہ نظر سے یہ تیار یا جائے کہ اس سرعت
 کے ساتھ اسلامی فتوحات کی وجہ کیا تھی۔

مندرجہ بالا دونوں درجوں میں عربی ذریعہ تعلیم ضروری نہیں بلکہ ان دو درجوں میں ذریعہ تعلیم طلباء
 کی اپنی مادری زبان ہو۔ ان کے لئے اتنی عربی کافی ہے جتنی ان کے لئے عبادات کے سلسلے میں واجب ہے۔
 تیسرے درجے کی اعلیٰ دینی تعلیم صرف ان لوگوں کو دی جائے جو درجہ ادنیٰ اور درجہ ثانی میں امتیاز کے
 ساتھ کامیابی حاصل کریں اور جو معلمین اور مرشدین بننا چاہتے ہوں۔ چونکہ یہ لوگ آگے چل کر مدارس عالیہ
 مدارس اعدادیہ (PREPARATORY) اور ضرورت پڑے تو ابتدائیہ میں پڑھائیں گے لہذا ان کی تعلیم و
 تربیت پر خاص توجہ دینی ضروری ہے۔ ان کے نصاب میں مندرجہ ذیل علوم شامل ہونے چاہئیں۔
 ۱۔ تفسیر القرآن۔

۲۔ عربی زبان و ادب، صرف و نحو اور خاص طور پر ادب جاہلی تا کہ قرآن کی اصطلاحات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔
 ۳۔ حدیث اور فن حدیث۔

۴۔ فن الاخلاق والآداب الدینیہ۔

۵۔ فن اصول الفقہ۔ اس موضوع پر شیخ الشاطبی کی کتاب الموافقات موزوں ترین کتاب ہے۔

۶۔ قدیم اور جدید تاریخ سیرت پاکؐ۔ سیرۃ صحابہؓ۔ ممالک اسلامیہ میں مختلف ادوار میں انقلابات،
 دولت عثمانیہ کی تاریخ، صلیبی جنگیں اور ان کے اثرات۔

۷۔ فن اتناع (افہام و تفہیم - PERSUATION) خطابت، اصول الجدل (استدلال)

۸۔ فن کلام اور استدلال فی العقائد۔ اور مذاہب کے اختلافات۔

اس کے علاوہ دوسرے ضروری علوم بھی مختلف مدارس کی روایات اور ضروریات کے مطابق پڑھائے جائیں۔
 یہ مدارس شیخ الاسلام کی براہ راست نگرانی میں ہونے چاہئیں۔ اور ان کے لئے اساتذہ کا بندوبست
 قابل ترین تعلیم یافتہ لوگوں میں سے ہونا چاہیئے۔

محمد عبیدہ کے مجوزہ تعلیمی اصلاحی پروگرام کو ترکہ کے شیخ الاسلام اور ان کی حکومت نے قابل توجہ نہ سمجھا
 اور یہ شائد سیاسی حکمت عملی پر مبنی تھا، لیکن عبیدہ نے نجی طور پر اور پھر مصر میں سرکاری طور پر اس کے نفاذ

کے لئے بہت کچھ کیا۔

۱۸۸۸ء میں محمد عبدہ کو مصر واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ ان کی اپنی خواہش تو یہ تھی کہ وہ ازہر میں پڑھائیں لیکن اس کے برخلاف ان کو شرعی عدالت کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ ازہر کی اصلاح سے بے پروا نہیں تھے۔ ان کا یہ خیال اور بھی بچتہ ہو گیا تھا کہ "ازہر کی اصلاح عین اسلام کی خدمت ہے۔ اس کی اصلاح مسلمین کی اصلاح اور اس کا فساد مسلمانوں کی تباہی ہے۔ ان کی جلا وطنی سے واپسی، حکومت کے ساتھ تعاون اور سرکاری نوکری قبول کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ ازہر کی اصلاح کے بارے میں سرکار کا اعتماد حاصل کر سکیں"۔^{۱۶} استاذ الامام ازہر میں جو اصلاح چاہتے تھے وہ دو قسم کی تھی۔ ایک صوری اور دوسری معنوی۔ اول الذکر میں عربی زبان کی ترقی اور علوم و معارف کی توسیع شامل تھی جب کہ موخر الذکر میں علم و فہم میں عقل کی بالادستی، دین و دنیا کی ترقی، اخلاق حسنة اور عزت نفس کی تربیت شامل تھی۔ جلا وطنی سے واپس آنے کے بعد محمد عبدہ نے اس دور کے شیخ الازہر شیخ محمد الانابى سے ملاقات کر کے بعض علوم کو نصاب میں شامل کرنے پر زور دیا لیکن اس میں ان کو اس قدر شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا کہ مجبوراً انھوں نے خدیو توفیق کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش شروع کی۔ خدیو توفیق سے تو کچھ نہ بن پڑا البتہ توفیق کے بعد عباس حلمی جب برسر اقتدار آئے تو انھوں نے محمد عبدہ کا ساتھ دیا جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

محمد عبدہ نے اپنے فرائض منصبی (تضاضاً) کے ساتھ ساتھ نجی طور پر تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ سپیک میں تقریریں کرنے کے علاوہ انھوں نے درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ وہ قرآن کی تفسیر روایتی انداز سے ہٹ کر جدید فکر اور مسائل کی روشنی میں کرتے تھے۔ یہ تفسیر آج ہمارے سامنے "تفسیر القرآن الحکیمہ لمحمد عبدہ" الموسوم بتفسیر المنار کی شکل میں موجود ہے۔^{۱۷} اس کے علاوہ محمد عبدہ کی کوششوں سے غریبوں اور بے کسوں کی مالی امداد اور ان کی پڑھائی اور انہیں مفت تعلیمی سہولتیں دینے کے لئے ۱۸۹۲-۹۳ء میں ایک انجمن بنائی گئی۔ اس "جمعية الخيرية الاسلامية" کے اغراض و مقاصد میں یہ بھی شامل تھا کہ ایسے عالم پیدا کیے جائیں جو جدید فکر کی روشنی میں اسلام کو

۱۶ ایضاً ص ۵۶۷

۱۶ تاریخ۔ جزو اول۔ ص ۲۲۵

۱۷ محمد عبدہ جو درس دیا کرتے تھے ان کے شاگرد رشید رضا اس کے نوٹس لے کر اپنے رسالے "المنار" چھاپتے تھے۔ عبدہ کی وفات کے بعد رشید رضانا نے اسی انداز سے بعد میں تفسیر کو مکمل کرنے کا بیڑا اٹھایا لیکن پوری تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔

ملک کے کونے کونے میں پھیلائی اور معاشرے کے اندر مختلف گروہوں میں اختلافات کی جو خلیج ہے اس کو پاٹا جائے۔ ۱۹۰۱-۱۹۰۰ء میں آپ اس سوسائٹی کے صدر چنے گئے۔ اس دوران آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جمعیتہ الخیریتہ الاسلامیہ کے زیر نگرانی مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی کا بھی اچھا خاصا انتظام تھا تاکہ اخروی نجات کے ساتھ ساتھ دنیوی امور از قسم تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ میں بھی جدید تحقیق کی روشنی میں ملک کی خدمت کی جائے۔ خدیو توفیق کا ولی عہد شہزادہ عباس علمی ایک آزاد خیال نوجوان تھا اور محمد عبدالعزیز اور محمد عبدالرحمن کے خلاف کی تعلیمات سے متاثر۔ ستمبر ۱۸۹۱ء میں خدیو توفیق کی وفات کے بعد جب وہ برسر اقتدار آیا اور اس نے سابق روشن خیال وزیر اعظم ریاض پاشا کو یورپ سے بلا کر وزارت سونپی تو محمد عبدالعزیز کو اس نوجوان خدیو سے بڑی امیدیں پیدا ہو گئیں چنانچہ وہ ان سے ملتے رہے اور ان کے سامنے تعلیمی اصلاحات کی تجاویز پیش کرتے رہے۔ آخر کار جنوری ۱۸۹۴ء میں انہر کی اصلاح کے لئے ایک مجلس قائم کی گئی یہ اس کے پانچ ممبر تھے۔ دوسرے سرکاری اور تین غیر سرکاری جو کہ انہر سے متعلق تھے۔ سرکاری ممبروں میں محمد عبدالعزیز اور شیخ عبدالکریم سلمان اور غیر سرکاری ممبروں میں یہ لوگ شامل تھے۔ شیخ حسن المرصفی (شائعی) شیخ سلیم البشری (مالکی) اور شیخ یوسف النابلسی (حنبلی) اس تعلیمی مجلس نے بڑے زور و شور سے اپنا کام شروع کیا۔ سب سے پہلے تو عبدالعزیز کی کوششوں سے اساتذہ کی تنخواہیں بڑھادی گئیں تاکہ مجوزہ اصلاحات کے لئے ان کو اعتماد میں لیا جاسکے۔ انہر کے لئے حکومت نے سالانہ گرانٹ میں اضافہ کر دیا۔ طلباء کی طبی سہولتوں کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا۔ مزید برآں اس کمیٹی کی سفارشات پر ۱۸۹۷-۹۸ء میں جدید علوم انہر کے نصاب میں شامل کئے گئے اور ان مضامین کے پڑھانے کے لئے "مدارس امیریہ" (سرکاری) کے اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ طلباء کی رہائش کا جو اس سے پہلے ناگفتہ بہ تھی، مناسب انتظام کیا گیا۔ کتب خانہ کے انتظامات درست کئے گئے۔ اساتذہ کے حقوق و فرائض متعین کئے گئے۔ نصاب میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے دوسرے مدارس کے علاوہ طنطا اور اسکندریہ کے مدارس کا انہر کے ساتھ الحاق کر دیا گیا۔ ان ابتدائی کامیابیوں کے بعد شیخ محمد عبدالعزیز کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ان کو اپنی منزل قریب نظر آنے لگی چنانچہ انہوں نے اپنی سرگرمیاں اور بھی تیز کر دیں۔

جون/جولائی ۱۹۰۱ء میں محمد عبدالعزیز استنبول تشریف لے گئے۔ وہاں دولت عثمانیہ کے شیخ الاسلام

کے لئے باعثِ ندامت ہو جائیں گی۔“

”ہمارے علماء آج ذلت اور کس مہر سی میں مبتلا ہیں۔ ان سے کم تر درجہ کے لوگوں کو جو حقوق حاصل ہیں، وہ ان سے بھی محروم ہیں۔ دنیا ان کی صورتوں سے بھاگتی ہے حالانکہ وہ دنیا کی طلب میں سب سے زیادہ مشقتیں برداشت کرتے ہیں، دنیا ان سے بغض و عناد رکھتی ہے حالانکہ دنیا کی محبت میں وہ سب سے زیادہ حریص ہیں۔۔۔۔ ہمارے اسلاف نے علماء کی جو تعریف کی تھی، اس کے معیار پر اگر یہ لوگ (علماء) پورے اترتے تو آج ان کا مقام بہت بلند ہوتا۔“

شیخ الاسلام: ”آپ نے سچ فرمایا جو شخص خود اپنی خدمت کرنا چاہتا ہو، اس پر بھی واجب ہے کہ وہ علوم کی خدمت کرے خصوصاً مصلحتیں ہمیشہ عمومی مصلحتوں کے تحت ہوتی ہیں۔ جب عمومی مصلحت ضائع ہو جائے تو خصوصی مصلحت خود بخود ضائع ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔“

محمد عبدالعزیز:۔۔۔۔۔ یہی حقیقی اصول ہے لیکن کتبِ فقہ کے مدرسین اپنے طالب علموں کے ذہن میں یہ اصول جہان کی قطعاً فکر نہیں کرتے۔۔۔۔۔ اس اصول کو انہوں نے اپنے اسباق میں کبھی پڑھا ہی نہیں۔ شاید موجودہ بھول چوک میں ان کا عذر بھی یہی ہو کہ انہوں نے یہ اصول کبھی سنا ہی نہیں۔“

مفتی محمد عبدالعزیز اپنی ان اصلاحی کوششوں میں دن رات لگے رہتے تھے۔ لیکن رجعت پسند قومیں ان کی اصلاحی کوششوں کو ناکام بنانے پر تلی ہوئی تھیں چنانچہ انہر میں ان کی مخالفت بڑھتی چلی گئی۔ شیخ حسونہ النواوی نے شروع میں شیخ محمد عبدالعزیز کی مجوزہ اصلاحات کی مخالفت کی نہ موافقت۔ البتہ اس کے رویے سے پتہ چلتا تھا کہ اگر واقعی اصلاح کی کوئی گنجائش ہے تو ایسی اصلاح تبدیل ہو چاہیے، جبکہ شیخ محمد الجیری کو اصلاح کی قطعاً کوئی گنجائش نظر نہ آتی تھی بلکہ ایک دفعہ تو انہوں نے شیخ محمد عبدالعزیز سے یہاں تک کہہ دیا: ”کیا آپ انہر کے فارغ التحصیل نہیں؟ اگر ہیں تو پھر انہر میں اصلاح کی کیا ضرورت ہے۔ اس میں آخر کی کس بات کی ہے۔“

عبدالعزیز کہنے لگے: ”آپ نے جو کچھ ارشاد کیا ہے، بجا ہے۔ اور مجھے انہر میں پڑھنے پر فخر ہے لیکن جو کچھ آپ مجھ میں دیکھ رہے ہیں وہ ان دس سالوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جن میں، میں نے اپنے دماغ کو ان اثرات سے پاک کرنے کی کوشش کی جو انہر کے طریقہ تعلیم نے میرے دماغ پر چھوڑے تھے لیکن اب بھی مجھے پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔“

۲۲۰ مخالفت میں سب سے زیادہ جو پیش پیش تھے وہ عبدالرحمن الشریبی تھے۔ جن کو بعد

میں شیخ الجامعہ مقرر کیا گیا۔ اس دوران میں خدیو کارویہ بھی بدل گیا اور وہ عبدہ کے خلاف ہو گئے۔ اور ان کی مجوزہ اصلاحات ناپسند کرنے لگے۔ رشید رضا کے قول کے مطابق شیخ شتر بنی خدیو کے اشاروں پر ناچنے لگے۔ اور اس طرح وہ سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کئے جانے لگے۔ جامع ازہر اب تک ایک آزاد ادارہ تھا لیکن شیخ شتر بنی کے تقرر کے بعد خدیو کی مداخلت بڑھ گئی۔ شیخ موصوف کے تقرر کے بعد خدیو کا جامع میں یہ تقرر کرنا کہ ازہر میں صرف مذہبی علوم کی تعلیم ہو اور وہ بھی حنفی فقہ کے مطابق، اس بات کا ثبوت تھا کہ اب رجعت پسندوں کی گرفت مضبوط ہو گئی۔^{۲۳} اس کے بعد تو حالات محمد عبدہ کے حق میں اس قدر بگڑ گئے کہ ان کی معزولی کے لئے درپردہ کوششیں ہونے لگیں۔ اخبارات میں انگریز لٹریوں کے ساتھ ان کے جعلی فوٹو چھاپے گئے۔ ان پر بدعت کے الزامات لگائے گئے لیکن دشمنوں کی ایک بھی نہ چل سکی۔^{۲۴} آخر کار ان سیاسی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر محمد عبدہ نے ازہر کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا اور اس کے ساتھ ساتھ شیخ عبدالکریم سلیمان بھی مستعفی ہو گئے۔ اس واقعے کے چند ماہ بعد ہی محمد عبدہ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

شیخ محمد عبدہ کی ان سرگرمیوں سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں تعلیمی اصلاح کے میدان میں سوائے چند مادی اصلاحات کے اور کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی لیکن یہ فرض کرنا زیادتی ہوگی کیونکہ اصلاح کی جس روح کو وہ مصر خصوصاً ازہر میں پھونکنا چاہتے تھے، وہ پھونک چکے تھے۔ اصلاح ہمیشہ وقت چاہتی ہے اور اس میں دیر لگتی ہے۔ قدیم دستور مشکل سے ختم ہوتے ہیں۔ ان کے ذمے جتنا کام تھا وہ کر چکے تھے۔ آج چونکہ سال بعد ازہر کی جو حالت ہے وہ محمد عبدہ کی خوابوں کا نتیجہ ہی تو ہے۔

آج اگر مسلم دنیا کی سب سے بڑی مملکت پاکستان میں اس قسم کی اصلاحات نافذ کی جائیں تو اگرچہ ہم اس کا شرفی القوم حاصل کریں گے لیکن ہماری آنے والی نسلوں پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے مذہبی ادارے چلانے والے اپنے اداروں میں جدید علوم کو عام کریں اور سرکاری اور نجی اداروں میں دینی تعلیم کا دائرہ اور بھی پھیلا دیا جائے۔